بنی نوع انسان کی آزادی احمدیت سے وابستہ ہے

فَكُّ رَقَبَةٍ کے وسیع مضمون کی تفسیر

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ رمئی ۱۹۸۸ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

عید کے خطبہ میں میں نے سورۂ البلد کی آخری چند آیات کی تفسیر میں ایک مضمون بیان کیا تھا جس کا تعلق آزادی کی حقیقت سے تھا، آزادی کے فلسفے سے تھا اور یہ جماعت کے سامنے مضمون رکھا تھا کہ قرآن کریم کے نزدیک حقیقی ایمان سچی آزادی کے بغیر نصیب نہیں ہوسکتا اور وہ لوگ جو خود اپنے نفس کو آزاد کرتے ہیں اور لوگوں کی آزادی کے لیے کوشاں ہوتے ہیں اُن کو ہی حقیقی ایمان نصیب ہوتا ہے۔ یہ تو معنی مستنبط ہوتا ہے اُن آیات سے اور ایک معنی یہ ہے کہ جو لوگ نہیں کرتے۔ چنانچہ اُن آیات میں انہی کا ذکر ہے۔ جو لوگ ایسا نہیں کرتے، جب تک وہ ایسا نہ کریں اُس وقت تک وہ ایمان کی حلاوت کو چکھ نہیں سکتے، ایمان اُن کو نصیب نہیں ہوسکتا۔ ان دوسرے معنوں میں ایمان کا اقرار اوّل مقام پیش نظر ہے۔ یعنی وہ لوگ جو ان کاموں کے منافی کام کرتے ہیں، ان باتوں کے منافی کام کرتے ہیں۔ جو بجائے لوگوں کو آزاد کرنے کے اُن کو غلام بنانے کی کوشش کرتے ہیں، جو اُن کے حقوق سلب کرتے ہیں، اُن کو خدا کی غلامی سے کھینچ کر بندوں کی غلامی کی طرف گھسیٹ لے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ ایمان سے عاری رہتے ہیں۔ جب تک یہ کام نہ کریں اُس وقت تک اُن کو ایمان کی ادنیٰ حالت بھی نصیب نہیں ہوسکتی۔ تو جس قسم کا مفہوم پیش نظر ہو اُسی

کے مطابق اگلی آیت کا ترجمہ کیا جائے گا۔ چنانچہ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البلد:۱۸) میں دونوں پہلو پیش نظر ہیں۔ ابتدائی بھی یعنی ایمان کی ابتدائی منازل بھی اور ایمان کی بلند و بالا اور اعلیٰ منازل بھی لیکن اس سلسلے میں کچھ اور باتیں بھی ایسی تھیں جو میں سمجھتا ہوں کہ مضمون بہت اہم ہے جماعت کے سامنے اس خطبے میں رکھ دوں تا کہ یہ مضمون اسی تسلسل میں بیان ہو۔

جب قرآن کریم یہ فرماتا ہے کہ آزادی، گردنوں کا آزاد کرنا ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ فرمایا یہ گردنوں کا آزاد کرنا بلندی پر چڑھنا یا مشکل راستے پر چڑھنے کے برابر ہے۔ میں نے اُس کا غالباً یہ ترجمہ کیا تھا گھاٹی پر چڑھنا وہ اس لیے کہ النَّجْدَيْنِ کا ذکر پہلے ہے دو بلندیاں، دو چوٹیاں، اُن کے درمیان جو سطح مرتفع ہوتی ہے۔ وہ اُن کے مقابل پر نسبتاً کم سطح پر ہے اور اُسے ہم گھاٹی کہتے ہیں لیکن جب ہم نیچے سے اُوپر کی طرف سفر شروع کریں۔ تو وہ گھاٹی بھی ایک بلندی ہے اور دو بلندیوں کے قریب تر کا درمیانی راستہ وہ گھاٹی کا رستہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ الْعَقَبَةَ اصل مطلب مشکل راستہ ہے، کٹھن والا رستہ ہے۔ خواہ وہ سطح مرتفع کی طرف لے جاتا ہو یا عام زمین کی سطح پر بھی اگر مشکل سے چلا جائے تو اُس کو الْعَقَبَةَ کہیں گے کیونکہ الْعَقَبَةَ کا مضمون ایڑی سے نکلا ہے۔ وہ چیز جو ایڑی پر بوجھ ڈالتی ہے وہ عقبہ والا رستہ ہے۔ بہر حال اس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں یہ مراد نہیں تھی۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس مضمون میں قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا کہ بلندی کا، مشقت کا، بلندیوں کی طرف لے جانے والا راستہ وہ راستہ ہے جو گردنوں کو آزاد کرنے والا راستہ ہے اور گردنوں کو آزاد کرنے والا راستہ کیا ہے؟ غرباء کی خدمت، مسکینوں کی خدمت، یتامٰی کی خدمت، بے سہارا لوگوں کی خدمت۔ اس سے ایک یہ تاثر بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ گویا قرآن کریم کے نزدیک آزادی کا مفہوم سوائے اس کے اور کچھ نہیں حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ اس سے یہ تاثر بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر یہی بلند ترین مقام ہے جس کی طرف قرآن کریم لے جانا چاہتا ہے تو پھر وہ لوگ جو مفلوک الحال لوگوں کی اقتصادی امداد کرتے ہیں یا غریب قوموں کی اقتصادی بہبود کے لیے کوشاں ہیں۔ کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے کہ اگر وہ ایسا کریں تو وہ ایمان کے اعلیٰ مقامات کو حاصل کر لیتے ہیں۔ کیا قرآن کریم بصورت دیگر اشتراکیت ہی کی تعلیم دیتا ہے یا کسی اور رنگ میں غرباء کی خدمت ہی دراصل انسانی معراج کے اعلیٰ مقامات قرار دیتا ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جو تشنہ رہ گیا تھا جو میں

سمجھتا ہوں کہ جماعت کے سامنے کھول کے بیان کرنا ضروری ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک غربت مسکینی اور یتیمی حالت میں لوگوں کی محتاجی کا تعلق ہے یہ ساری چیزیں بلا شبہ غلامی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اگر آپ تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت غربت کے نتیجے میں نہ انسان کی عزت رہتی ہے نہ غیرت رہتی ہے۔ بعض غریب اور مجبور اپنی عزتیں واقعۃً بیچتے ہیں اور رزق کی خاطر اور اپنی بقا کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پہ لگا دیتے ہیں اور جتنی زیادہ غربت بڑھتی ہے اُتنا ہی دوسرے کی محتاجی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اسی لیے اس دنیا میں قومی لحاظ سے بھی Third World Countries جو کہلا رہے ہیں وہ اپنی غربت کی وجہ سے آج بھی بڑی اور ترقی یافتہ قوموں کے غلام ہیں اور یہ وہم ہے کہ وہ آزاد ہو چکے ہیں کیونکہ غربت اور آزادی اکٹھے نہیں رہا کرتے عام دنیا کے حالات میں مگر یہ کہنا کہ قرآن کریم بالکل اسی فلسفے کو بیان کر رہا ہے اور قرآن کریم کے نزدیک مذہبی جدّ وجہد کا نام اس کے سوا کچھ نہیں۔ مذہبی جدّ وجہد کا خلاصہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان مفلوک الحال قوموں کی اقتصادی بہتری کے لیے کوشش کرے اور غریب انسانوں کی غربت دور کرنے کی کوشش کرے، ہرگز یہ مراد نہیں ہے۔ اس لیے میں اس معاملے پر ذرہ تفصیل سے روشنی ڈالوں گا۔

قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ غربت اور غلامی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ یہ فرمایا ہے کہ گردنوں کو آزاد کرانا بنیادی مقصد ہے اور جب تم گردنوں کو آزاد کرانے کی جدّ وجہد کرو گے یعنی آزادی کی جدّ وجہد کرو گے، غربت کے خلاف جدّ وجہد کا ذکر نہیں فرمایا پہلے۔ فرمایا گردنوں کو آزاد کرنا یعنی ہر وہ شخص جو کسی بندھن میں جکڑا گیا ہے۔ اُس کو آزاد کرانے کی کوشش کرنا یہ ہے اعلیٰ ترقیات کی طرف قدم مارنا، مشکل راہوں پر قدم رکھنا۔ اس ضمن میں یاد رکھو کہ غربت کے نتیجے میں بھی غلامی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ہے مضمون اور اس ضمن میں یاد رکھو کہ مسکین لوگ جو بے سہارا خاک آلودہ سڑکوں پر پڑے ہوتے ہیں وہ بھی ایک قسم کے غلام ہوتے ہیں اگر چہ بظاہر وہ آزاد بھی ہیں کیونکہ اُن کی ساری زندگی اُس مسکینی کی وجہ سے دوسروں کی محتاج ہو جاتی ہے اور اس لیے وہ بھی ایک غلامی ہی کی قسم ہے۔ پھر فرمایا یتیمی بھی ایک قسم کی غلامی ہے کیونکہ یتیم اور بے سہارا لوگ پھر مجبور ہو جاتے ہیں دوسروں کے سامنے جُھکنے پر اور اُن کی مرضی کے تابع کام کرنے پر خواہ دل چاہے یا نہ چاہے۔ پس

غلامی کی بعض قسموں کا ذکر فرمایا ہے اور فرمایا ہے غلامی کا یہ مطلب نہیں کہ واقعۃً Colonialism کے ذریعے یا Imperialism کے کسی طریق سے قوموں کو غلام بنایا گیا ہو یا فرداً فرداً کسی کو بیچا گیا ہو تو وہ غلام بنتا ہے۔

پس قرآن کریم بہت ہی بلند اور بہت ہی وسیع مضمون بیان فرما رہا ہے اور غلامی کی بعض قسموں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ فی ذاتہ اقتصادی حالت کو بہتر بنانا اور دنیا کمانا قرآن کریم کی ان آیات میں پیش نظر ہے ہی نہیں، وہ مضمون ہی نہیں ہے بلکہ ایک مختلف مضمون بیان ہو رہا ہے۔ اب آپ دنیا کے فلسفے کو دیکھیں غریبوں کی بھوک مٹانا یا قوموں کو اقتصادی غلامی سے نجات بخشنا یا قوموں کی اقتصادی بہبود کے لئے کام کرنا اور پھر قرآن کریم کی ان آیات کی روشنی میں اُس کا موازنہ کریں تو تب آپ کو سمجھ آئے گی کہ قرآنی مضمون کتنا بلند تر اور کتنا وسعت والا مضمون ہے اور دنیا کے فلسفے اور تصورات اُس کے سامنے کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ اُن کے اندر ایک اندرونی تضاد پایا جاتا ہے جس تضاد کو یہ قرآنی آیات حل کر رہی ہیں۔ اب آپ غور سے دیکھئے، غور کریں دُنیا کے حالات پر تو آپ کو معلوم ہوگا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا کہ غربت دور کرنے کے نام پر جتنی عالمی کوششیں ہو رہی ہیں وہ ساری کوششیں بالآخر اُن قوموں کو غلامی میں جکڑ رہی ہیں جن کی غربت دور کی جا رہی ہے۔ تو قرآن کریم فرماتا ہے کہ فَكُّ رَقَبَةٍ تو اصل مقصود تھا۔ اگر فَكُّ رَقَبَةٍ ہی نہ رہے تو پھر غربت دور کرنا بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ غربت دور کرنا فَكُّ رَقَبَةٍ کی خاطر ہونا چاہئے۔ پھر اقتصادی طور پر آپ اشتراکی دُنیا پر نظر ڈال کر دیکھیں۔ وہاں بھی غربت دور کی گئی ہے ایک فلسفے کے اطلاق کے ذریعے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اُس غربت دور کرنے کے نتیجے میں ہر فرد کو زنجیریں پہنا دی گئی ہیں اور انفرادی آزادی کا قلع قمع کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اشتراکی نظام خواہ بھوک دور کر رہا ہو وسیع پیمانے پر اور بہت مؤثر ہو اس پہلو سے۔ اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ مؤثر ہے بھی کہ نہیں کیونکہ اس کے بہت سے پہلو ہیں جو تحقیق طلب ہیں۔ لیکن فرض کریں کہ اشتراکی نظام اپنے دعاوی میں تمام تر صحیح ثابت ہو اور غربت اور فاقہ کشی اور احتیاج کا قلع قمع کر دے لیکن ساتھ ہی انفرادیت کو بھی ختم کر دے اور انفرادیت کو زنجیریں پہنا دے کیونکہ کمیونزم نام ہی اجتماعیت کا ہے۔ کمیونزم کا مطلب ہے اشتمالی زندگی، اجتماعی زندگی جس میں فرد کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔ تو

اُس کے نتیجے میں بھی ایک طرف سے آزادی دی جارہی ہے، دوسری طرف سے آزادی چھینی جارہی ہے۔ترقی یافتہ ممالک میں جو اقتصادی ترقی کے پروگرام ہیں وہ سارے کے سارے اپنے ساتھ اندرونی زنجیریں رکھتے ہیں ساری قوم جکڑی جاتی ہے۔اُس مالی نظام کے تابع ،جس مالی نظام کے ذریعے یہ ملک کی حالت بہتر بنا رہے ہوتے ہیں اور کئی طرح سے جکڑی جاتی ہے۔امیر اور غریب میں تفریق بڑھتی جاتی ہے کبھی کم نہیں ہوتی اور بعض لوگ مزدور طبقہ بن کر نسلاً بعد نسلٍ وہ پھر مزدور طبقہ بنتے چلے جاتے ہیں اور سرمایہ چند ہاتھوں میں اکٹھا ہوتا رہتا ہے اور سرمایہ حکمران بن جاتا ہے کیونکہ ان تمام ممالک کی سیاست میں ہر جگہ بلا استثنا سرمایہ کام کر رہا ہوتا ہے ۔کوئی امریکہ کا پریذیڈنٹ، پریذیڈنٹ نہیں بن سکتا جب تک اُس کے پیچھے سرمایہ نہ ہو۔کوئی یورپین ممالک کا باشندہ Member کا Parliament نہیں بن سکتا جب تک اُس کے پیچھے کوئی سرمایہ داری کا ہاتھ نہ ہو اُس کو قوت نہ دے رہا ہو اور بھی تفصیل سے آپ مطالعہ کر کے دیکھیں کہیں ظاہری طور پر، کہیں مخفی طور پر، کہیں براہ راست کہیں، بالواسطہ سرمایہ کاری حکومت پر قابض ہوتی ہے اور سرمائے کے نتیجے میں جو حکومت بنتی ہے وہ ہمیشہ سرمایہ داری کی حمایت کرتی ہے۔اس کے سوا کچھ اور بھی مناظر آپ کو دکھائی دیں گے۔عوامی موومنٹس کے ذریعے Leftist حکومتوں کا آنا لیکن اُس کی تفصیل میں میں اس وقت نہیں جاتا لیکن اُس میں بھی بہت ہی دھوکے ہیں اور بظاہر جن کو آپ سمجھ رہے ہیں کہ Leftist حکومتیں آگئی ہیں اُن کے پیچھے بھی سرمائے ہیں۔ اگر اندرونی سرمائے نہیں تو بیرونی سرمائے ہیں اور اجتماعی طور پر یہ سارے نظام خود اپنے ملک کے باشندوں کو بھی غلام بناتے ہیں اور Leftist حکومت یعنی بائیں بازو کی حکومت بھی ہو وہ بھی اپنے مزدور کو اپنا غلام بناتی ہے اور اس رنگ میں جکڑتی ہے کہ ایک ہاتھ سے آزادی دے رہی ہے دوسرے ہاتھ سے آزادی چھین رہی ہے۔پھر سارا نظام سرمایہ کاری جو Imperialist ممالک میں ملتا ہے یا بوژوا ممالک کہہ لیں اُن میں ملتا ہے ہر جگہ آپ یہ دیکھ کر اگر آپ کے دل میں احساس ہے تو تکلیف محسوس کریں گے کہ انسان دن بدن Materialism کا غلام بنتا چلا جارہا ہے محتاج ہوتا چلا جارہا ہے دن بدن مادے کا اور اُس کے رجحانات غلام بن گئے ہیں۔مادہ پرستی اتنا بڑھ جاتی ہے کہ انسانی قدریں اُس کے تابع ہو جاتی ہیں اور یہ رجحان بڑھتے بڑھتے انسانی قدروں کو جکڑ دیتا ہے اور پھر اُن کا خون چوس جاتا ہے۔ایک ایسی

Society وجود میں آتی ہے جس میں انسانی قدروں کا دم گھونٹا گیا ہے اور رفتہ رفتہ ایک غیر مرئی زنجیریں ایسی ہیں جن میں انسان جکڑا جاتا ہے اور اُس کی آزادی تلف ہو جاتی ہے۔

یہ مضمون بہت تفصیلی اور گہرے مطالعہ کا محتاج ہے۔لیکن جہاں جہاں بھی آپ نظر کریں گے آپ محسوس کریں گے کہ حقیقۃً محض اقتصادی ترقی کا پروگرام انسان کو آزادی نہیں دلاتا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہر جگہ جو موجودہ اقتصادی ترقیات کے پروگرام ہیں وہ انسان کو مزید غلام بناتے چلے جارہے ہیں۔پھر اور بھی کئی قسم کے ایسے خوفناک دھوکے ہیں اس نظام میں جو اقتصادی ترقی ہو رہی ہے اُس کے نتیجے میں False تمنائیں یعنی جھوٹی اُمیدیں، جھوٹی تمنائیں پیدا کی جاتی ہیں، خواہشات پیدا کی جاتی ہیں تا کہ قوم اپنی بعض خواہشات کی غلام بن کر بعض امیر سرمایہ کاروں کی بنائی ہوئی چیزیں خریدنے پر مجبور ہوں۔اس وقت یورپ جس طرح Pop_music کا غلام بن گیا ہے یا West کہنا چاہئے سارا ہی تقریباً۔East میں بھی اب اس کے اثرات بڑے نمایاں طور پر ظاہر ہو رہے ہیں۔غریب ملکوں میں بھی ظاہر ہو رہے ہیں ان کے پیچھے بھی بڑے بھاری Rackets ہیں، بہت بڑے بڑے سرمائے ہیں جو پہلے عوام کا مزاج خراب کرتے ہیں اور مذاق بدلتے ہیں اور اُس مذاق کو بگاڑ کر وہ چیزیں Market کرتے ہیں جو اُس بگڑے ہوئے مذاق کی طلب پورا کرنے کے لیے بنائی جاتی ہیں اور اس ضمن میں بھی اب ان کے باشعور لوگ خود محسوس کرنے لگے ہیں کہ ہم دن بدن سرمایہ کاری کی مختلف شکلوں اور صورتوں میں جکڑے جارہے ہیں اور یہ مختلف شکلیں خواہ کسی پہلو سے ظاہر ہوں بھیانک ہیں اور مکروہ ہیں لیکن بہت حسین نقاب انہوں نے اوڑھے ہوئے ہیں۔تو یہ مضمون بہت تفصیلی اور گہرے مطالعہ کا محتاج ہے۔آخری نتیجہ وہی نکلتا ہے کہ اقتصادی ترقی کا پروگرام فی ذاتہ مقصود نہیں ہے۔غریب کو امیر بنانا فی ذاتہ مقصود نہیں ہے۔قرآن کریم کا فلسفہ اس سے بالکل مختلف ہے۔

قرآن کریم کہتا ہے آزادی ہے بنیادی چیز، آزادی کے بغیر انسان کو تسکین نصیب نہیں ہو سکتی۔وہ کام کرو جس کے نتیجے میں قومیں آزاد ہوں اور نفس آزاد ہوں، جماعتیں آزاد ہوں اور افراد آزاد ہوں اور اُس آزادی کی جدّ وجہد میں یاد رکھنا کہ غربت بھی غلامی کا ایک ذریعہ ہے۔غربت بھی غلامی کی زنجیروں کا ایک نام ہے اور بے سہارا ہونا یہ بھی انسان کے کردار کو بگاڑتا ہے اور دوسرے کا

محتاج کرتا ہے۔اسلام نے جو اس کے خلاف منصوبہ بنایا ہے وہ تین مختلف جہتوں سے تعلق رکھتا ہے۔سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ جو تین مختلف جہتیں ہیں۔اخلاقیات سے بھی اس کا تعلق ہے،نفسیات سے بھی اس کا تعلق ہے۔

پہلی چیز جو قرآن کریم پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ محض کسی کا پیٹ بھرنا کافی نہیں ہے اُس کی عزّت نفس کے ساتھ اُس کا پیٹ بھرنا ضروری ہے اور اگر عزت نفس مجروح ہوتی ہے تو وہ پیٹ بھرنا بے معنی ہے اور قرآن کریم کے نزدیک نیکی نہیں رہتی۔جس طرح کسی کی ضرورت پوری کرو عزت نفس کے ساتھ ضرورت پوری کرو یہ پہلی شرط لگاتا ہے۔دوسری شرط یہ لگاتا ہے کہ اُس کو یہ احساس دلاؤ کہ تم میرے محتاج نہیں ہو۔تمہارا رازق خدا تعالیٰ ہے۔میں اُس کی مرضی کی خاطر اُس کی رضا کی خاطر یہ کام کر رہا ہوں۔اس لیے تم پر میرا کوئی احسان نہیں ہے اور تم کسی پہلو سے بھی میرے تابع نہیں ہو۔یہاں تک کہ تم اگر شکریہ ادا کرتے ہو تو مجھے تکلیف ہوتی ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میری جزا اگر تم سے مل گئی میں تو خدا کی جزا کا طالب تھا۔اُس جزا پر اس کا بُرا اثر پڑے گا۔یہ فلسفہ ہے اس کا بنیادی۔

چنانچہ جس شخص کی مدد کی جائے اُس کی عزّت نفس کو قائم رکھتے ہوئے اُس کی مدد کی جائے۔یہ وہ نفسیاتی پہلو ہے جس پر قرآن کریم نے بہت زور دیا ہے کیونکہ غلامی کا آغاز نفسیاتی غلامی سے شروع ہوتا ہے اور یہ بھی بڑا وسیع مضمون ہے۔اس کو آپ دنیا کے جس مضمون کے تعلق میں مطالعہ کریں گے۔آپ آخر اسی نتیجے پہ پہنچیں گے کہ غلامی کا گہرا تعلق انسان کی نفسیاتی غلامی سے ہے۔ایک اندرونی الجھن پہلے پیدا ہوتی ہے پھر انسان غلام بنتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم جس آزادی کا علمبردار ہے اُس میں نفسیاتی آزادی کو بہت اہمیت دیتا ہے۔کوئی شخص نفسیاتی لحاظ سے کسی دوسرے انسان کا غلام اور اُس کے تابع نہ ہو جائے۔اطاعت کے خلاف نہیں ہے یہ مضمون،اطاعت کا مضمون بالکل مختلف ہے۔آزاد منش لوگ جن کے نفس کلیۃً آزاد ہوتے ہیں وہ بھی اطاعت کرتے ہیں دوسروں کی۔قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ اطاعت یعنی خدا تعالیٰ کی صرف نہیں بلکہ حاکموں کی بھی ضروری ہے اور وہ آپ کی نفسیاتی آزادی کے خلاف نہیں ہے۔حضرت یوسف نے اپنے وقت کے بادشاہ کی اطاعت کی تھی اور یہاں تک سورۃ یوسف سے پتا چلتا ہے کہ اپنے بھائیوں کو اپنے پاس رکھنے کی بھی آپ کو استطاعت نہیں تھی لیکن قانون کو نہیں

توڑا لیکن اُس کے باوجود آپ کا نفس آزاد تھا کسی نفسیاتی الجھن کے آپ شکار نہیں تھے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو اس پہلو سے سمجھیں گے تو آپ کو سمجھ آئے گی کہ قرآن کریم جب نفسیاتی آزادی کی بات کرتا ہے تو اُس سے کیا مراد ہے۔ بہرحال یہ مزید غور طلب باتیں ہیں۔ اس سلسلے میں لمبی باتیں کرنے کا وقت نہیں اس لیے میں اب دوسرا پہلو بیان کرتا ہوں۔

دوسرا پہلو اللہ تعالیٰ قناعت پر زور دیتا ہے اور یہ وہ مضمون ہے جس سے دنیا بالکل آشنا ہی نہیں ہے بلکہ سرمایہ کاری کے نظام کے بالکل مخالفانہ پروگرام ہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم سے پتا چلتا ہے کہ انسان کے اندر جو بے پناہ طلب کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اُس کو قرآن کریم لُگا میں پہناتا ہے، اُسے کنٹرول میں لاتا ہے اور اُس کے ذریعے انسان کو آزادی دلاتا ہے۔ چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ ایک شخص غریب ہو لیکن قناعت کے ذریعے وہ دوسرے سے آزاد ہو جائے۔ بسا اوقات ایسے غریب ملتے ہیں جن کی غربت اُن کو مزید غلام بناتی چلی جاتی ہے اپنے حرص و ہوا کے نتیجے میں پہلے وہ نفس کے غلام بنتے ہیں پھر ہر دوسرے کا غلام بن جاتے ہیں۔

پس غلامی کے فلسفے میں اس بات کو بہت گہرا دخل ہے۔ جب میں نے کہا کہ اپنے نفس کو آزاد کرو تو اُس سے یہ مراد تھی کہ وہ شخص جو خود حرص و ہوا کا شکار ہے۔ جس کی طلب کی کوئی حد نہیں ہے وہ دوسرے کو آزاد کروا ہی نہیں سکتا کیونکہ خود بھی وہ دوسروں کا غلام بن جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ تم قناعت پیدا کرو۔ اگر تمہیں اپنی مرضی کی چیزیں میسر نہیں تو اپنی مرضی کی شاخ تراشی شروع کر دو اور جہاں تک ممکن ہے اپنی مرضی کو کم کرتے چلے جاؤ اور مستغنی ہوتے چلے جاؤ۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اصل غنی دولت کے ذریعے یا جائیداد کے ذریعے نصیب نہیں ہوتی۔ اصل غنی، غنی النفس ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق حدیث نمبر: ۵۹۶۵) یعنی اگر نفس غنی ہو جائے دوسرے لفظوں میں کہیں گے کہ مستغنی ہو جائے تو دولت نصیب ہو جاتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے جو واقعہ بیان کیا بڑا دلچسپ ہے جو میں پہلے بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں۔ اُس کا اسی مضمون سے تعلق ہے۔ ایک دفعہ جب مہاراجہ جموں کشمیر کے ہاں کام کیا کرتے تھے یعنی شاہی طبیب تھے سیر کے دوران آپ نے ایک ایسے فقیر کو دیکھا جو ایک لنگوٹے میں رہا کرتا تھا بہت ہی غریبانہ حالت تھی۔ لیکن اُس دن وہ خوشی سے اُچھل رہا تھا اور بڑے بڑے

نعرے لگا رہا تھا۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اُس وقت خلیفۃ المسیح الاوّل نہیں تھے حکیم نورالدین تھے انہوں نے پوچھا کہ بابا یہ کیا بات ہے آج تم کیوں اتنا خوش ہو، کیوں اتنا اُچھل کود رہے ہو آخر تم نے کیا پالیا ہے۔ تو اُس نے جواب دیا کہ حکیم صاحب جس کی ساری مرادیں پوری ہو جائیں وہ خوش نہ ہو۔ کیا وہ خوشی کے ترانے نہ گائے۔ حضرت حکیم نورالدین صاحب نے پوچھا کہ میں تو تمہیں آج بھی اُسی طرح ایک لنگوٹے میں دیکھ رہا ہوں، تمہارے بدن پہ کچھ نہیں ہے، وہی اُسی طرح کی حالت ہے جو پہلے تھی اور وہی بُرے غربت کے آثار ہیں۔ آخر تم نے پا کیا لیا ہے، مرادیں تمہاری کون سی پوری ہوگئی ہیں۔ اُس نے کہا حکیم جی تسی نہیں سمجھدے جیدی مراد ہی کوئی نہ ہور ہے اودیاں پوریاں ای پوریاں کہ حکیم صاحب آپ نہیں یہ بات سمجھتے جس کی مراد ہی کوئی نہ رہے اُس کی ساری مرادیں پوری ہو جاتی ہیں۔ تو قناعت بھی ایک آزادی کا رستہ ہے۔ اس کا کوئی بھی تصوّر دنیا کے کسی اور نظام اور فلسفے میں نہیں ہے۔ قرآن کریم اس کو پیش کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ اس پر روشنی ڈالتے ہیں اور اس کے مطابق تربیت فرماتے ہیں۔

پس اپنی ضرورتوں کو کم کرو اور کوشش کرو کہ جو کچھ تمہیں نصیب ہے اُسی کے اندر رہو۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا جو اقتصادی نظام ہیں دنیا کا وہ اس کے بالکل برعکس کام کرتا ہے۔ اُس کا بنیادی فلسفہ یہ ہے، اُس کی بقاء کا راز اس میں ہے کہ طلب کو بڑھاؤ۔ جتنی آپ طلب بڑھاتے چلے جائیں گے۔ اُتنا ہی ڈیمانڈ بڑھتی چلی جائے گی۔ اُتنا ہی آرٹیفیشل اور مصنوعی زندگی کی تمنا بڑھتی چلی جائے گی۔

چنانچہ افریقہ کے دورے پر جب میں نے یہ باتیں دیکھیں تو اُن کے سربراہوں سے بھی دوسرے دانشوروں سے بھی میں نے خاص طور پر یہ بات پیش کی۔ میں نے کہا آپ کی نجات تو قرآن کریم کی اس تعلیم میں ہے کہ آپ اپنی طلب کم کریں۔ آپ غریب ملک ہیں آپ کو یہ حق نہیں ہے کہ اعلیٰ ٹیلی ویژن کے عیاشی کے پروگرام دیکھیں، مرسیڈیز باہر سے منگوائیں اور اپنی سڑکوں پر اُن کو دوڑائیں۔ آپ کی غریبانہ حالت آپ کو اس کی اجازت نہیں دیتی اور آپ اپنی طلب بھی آرٹیفیشلی یعنی مصنوعی طریق پر پوری نہیں کر رہے بلکہ اپنی غریب عوام کی طلب بڑھا رہے ہیں اور یہ زیادہ دیر تک اس طرح نہیں رہے گا سلسلہ۔ افریقہ بڑا صبر کرنے والا خطہ ہے لیکن صبر کی بھی حدیں ہوتی

ہیں۔ جب آپ طلب کو آزاد کر دیں گے تو ایک موقع ایسا آئے گا کہ یہ عوام جو آپ سمجھتے ہیں کہ صبر سے بیٹھے ہوئے ہیں، خاموش ہیں ان کی طرف سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں یہ اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ افریقہ میں فسادات شروع ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس پہلو سے میں نے بعض جگہ مثالیں دیں سب سے زیادہ متاثر میں گیمبیا کے صدر کی پالیسی سے ہوا ہوں۔ جنہوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے یہ فیصلہ کر رکھا ہے اور اس فیصلے پر قائم ہیں کہ اپنے عوام کے لیے جب تک بنیادی ضرورتیں پیدا کرنے کی ملک میں کوشش نہ جاری ہو اُن کی طلب آزاد نہیں ہونے دینی۔ چنانچہ کوئی ٹیلیویژن نہیں ہیں وہاں اور سختی کے ساتھ وہ اس پالیسی پر کاربند ہیں کہ نہ صرف یہ کہ ٹیلیویژن نہیں بلکہ سارے افریقہ میں سے سب سے کم کاریں وہاں آپ کو نظر آئیں گی۔ عام غریبانہ زندگی ہے اور اُن کا زور ہے کہ کم سے کم چیزیں باہر سے منگوائی جائیں۔ باہر کی دنیا عیش کر رہی ہے تو اس لیے کرتی ہے کہ وہ خود اُس عیش کے سامان پیدا کرتی ہے۔ ہم لوگ تو عیش کے سامان پیدا نہیں کر سکتے اس لیے ہمارا حق نہیں ہے کہ ہم وہ عیش کریں۔ یہ وہ Policy ہے اُن کی جو عین قرآنی قناعت کی Policy کے مطابق ہے۔ اسی وجہ سے آپ یہ دیکھ کے حیران ہوں گے کہ نائیجیریا باوجود اس کے کہ سینکڑوں گنا زیادہ امیر ہے گیمبیا سے وہاں بے چینی زیادہ ہے اور گیمبیا میں بے چینی کم ہے۔ نائیجیریا میں کرائم اور جرائم زیادہ ہیں اور گیمبیا میں تقریباً مفقود ہیں یعنی غربت کے باوجود چوری نہیں ہے اور جب بھی کوئی چور پکڑا جاتا ہے پتا لگتا ہے کہ کسی اور ملک کا آیا ہوا ہے۔ تو قناعت کے مضمون کو اگر آپ سمجھیں تو عظیم الشان فوائد رکھتا ہے بنی نوع انسان کے لیے اور سچی آزادی کا پیغام دیتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم پہلے نفسیاتی آزادی کا حکم دیتا ہے، پھر قناعت کا حکم دیتا ہے، پھر اُس کے بعد جو تیسرا حکم ہے قرآن کریم کا آزادی کا پروگرام یہ ہے کہ تم حقوق کی طلب کے بجائے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف توجہ کرو اور یہ تیسرا پہلو قوم کے رجحان کا بالکل رُخ بدل دیتا ہے۔ بہت سی دنیا میں جد و جہد اور بے چینیاں ایسی ہیں کہ ایک انسان سمجھتا ہے کہ میرے پاس نہیں ہے تو وہ دوسرے سے چھیننے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس رجحان کے نتیجے میں کبھی بھی اعتدال پہ قائم نہیں رہتا وہ ہمیشہ اپنے حق سے بڑھ کر دوسرے کا حق چھیننے کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اور جتنی تحریکات ہیں اشتراکی دنیا میں ہوں یا غیر اشتراکی دنیا میں جن میں غریبوں کو اُبھارا جاتا ہے وہاں

اُبھارنے کے لیے بنیادی محرک یہی رہتا ہے کہ اُٹھو اور چھین لو۔ اگر تم مزدور ہو اور سرمایہ کارانہ علاقے میں رہتے ہو تو ہڑتالوں کے ذریعے یا جہاں تک بس چلے توڑ پھوڑ کے ذریعے اپنے مالکوں سے زیادہ سے زیادہ چھیننے کی کوشش کرو اور اشتراکی پیغام یہ ہے کہ تم اپنے مالکوں کے سارے نظام کو اُکھیڑ پھینکو اور ہر جائیداد پر قبضہ کر لو اور ہر دولت کے ذریعے کو اپنا لو یہ تمہاری زندگی اور امن کا پیغام ہے۔ ان دونوں پیغاموں کے نتیجے میں ایک ایسی بے اطمینانی جنم لیتی ہے، چھینا جھپٹی کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ وہ ممالک جو اشتراکی ممالک ہیں۔ اُن میں بھی سب کچھ حاصل ہونے کے باوجود طلب باقی رہ جاتی ہے اور زبردستی ڈنڈے کے ذریعے اس آزاد کیے ہوئے جن کو دوبارہ بوتل میں گھسیڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

چنانچہ اس کے نتیجے میں ایک اور غلامی پیدا ہوتی ہے۔ جس کے لیے اشتراکی حکومتیں مجبور ہیں۔ وہ جب بھی اپنے نظام میں نرمی پیدا کریں ذرا سی بھی۔ جس طرح آج کل ہمارے روس کے پریذیڈنٹ گورباچوف صاحب کوشش کر رہے ہیں۔ اُس کے نتیجے میں تھوڑی سی بھی وہ کوشش کرتے ہیں اور اچانک لوگوں کی توجہ حقوق کو لینے کی طرف اور پھر حقوق سے بڑھ کر لینے کی طرف شروع ہو جاتی ہے اور اس تضاد میں پھنس کر یہ لوگ بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ آزادی دینا بھی چاہیں تو دے نہیں سکتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ آزادی دینے کا مطلب یہ ہے کہ حقوق کی تمنا آزاد کرو اور حقوق کی تمنا آزاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پھر ساری حدیں قوم پھلانگ جائے۔ یہ تجربے روس کے بعض حصّوں میں ابھی سے نہ صرف ناکام ہو چکے ہیں بلکہ خطرات کی گھنٹیاں بجا رہے ہیں اور آرمینیا وغیرہ کے علاقے میں جو فسادات ہوئے ہیں حال ہی میں وہ اسی گورباچوف کی آزادی پالیسی کے نتیجے میں ہوئے ہیں۔

پس آپ غور کر کے دیکھیں کہ اس قسم کے اقتصادی پروگرام جیسے کہ دُنیا کا فلسفہ پیش کرتا ہے محتاج ہیں غلامی کے اور غلامی کے بغیر چل نہیں سکتے۔ یہ قومیں مجبور ہو جاتی ہیں اپنے ادنیٰ طبقات کو غلام بنانے، غلام رکھنے پر اور غلامی سے آزادی کے نام پر جو وسیع اشتراکی ممالک وجود میں آئے ہیں۔ وہ چل نہیں سکتے اگر وہ خود غلامی کی زنجیریں مضبوط نہ کریں اور اُنہیں ہمیشہ قوم کو پہنائے نہ رکھیں۔

یہ وہ غیر اسلامی فلسفہ ہے اس کے مقابل پر قرآنی فلسفہ دیکھیں کہ کتنا عظیم الشان آزادی کا پیغام لاتا ہے۔ نفس کی آزادی تمناؤں سے، خواہشات سے اُن کو معتدل کرنا، عزّت نفس کا قیام کرنا

اور غیر کی طرف غیر کی چیزوں کی طرف لالچ کی نظر نہ ڈالنا بلکہ کوشش یہ کرنا کہ آپ دوسروں کے حقوق ادا کرنے والے ہوں خواہ آپ کو حقوق چھوڑنے پڑیں۔ یہ بالکل ایک مختلف رخ ہے جس کا دنیا میں کوئی تصوّر نہیں ہے۔ سارا قرآن کریم ایثار کی تعلیم سے بھرا پڑا ہے وہ یہی تعلیم ہے کہ تم یہ کوشش کرو کہ تمہارا حق چاہے رہ جائے لیکن تمہارے بھائی کا حق نہ رہے تمہارے اوپر۔ اس لیے یہ اسی طرح پورا ہو سکتا ہے کہ تم حق سے زیادہ ادا کرنے کی کوشش کرو۔

پس جس آزادی کا یہ مضمون بیان ہوا ہے وہ اس قسم کی آزادی ہے جس کے لیے جماعت احمدیہ کو اپنے نفس سے بھی کوشش کرنی ہوگی اور غیروں میں اس آزادی کی تعلیم کو وضاحت کے ساتھ پیش بھی کرنا ہوگا اور جہاں جہاں ممکن ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ جماعتی پروگراموں کے ذریعے بھی غریب قوموں کی آزادی کے لیے جماعت کوشاں ہوگی اور جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا اس سلسلے میں منصوبے کچھ بن چکے ہیں، کچھ بن رہے ہیں اور آئندہ میں اُمید رکھتا ہوں کہ اگلے سو سال میں جماعت احمدیہ کو اس پہلو سے عظیم الشان خدمت بنی نوع انسان کی توفیق ملے گی۔

اس ضمن میں میں آپ کو ایک دفعہ پھر اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ فَكُّ رَقَبَةٍ صرف غربت کو دور کرنا نہیں ہے۔ فَكُّ رَقَبَةٍ کا مضمون بہت ہی وسیع ہے اور یہ مضمون کلیۃً لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کے مضمون سے ہم آہنگ ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ اس لیے یہ مضمون غربت کے معاملے میں بھی دوسرے فلسفوں کے تصور سے بہت زیادہ بالا اور بلند تر ہے لیکن اپنے دائرے میں اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے کہ آپ اسے صرف محدود طور پر غریبوں کی خدمت کے رنگ میں دیکھیں یا غریب قوموں کو اقتصادی غلامی سے آزاد کرنے کے رنگ میں دیکھیں۔ یہ مضمون ہے انسان کو ہر اُس احتیاج سے آزاد کرنے کا مضمون جس میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف اُس کی نظر ہو اُس کو کسی اور کا دست نگر ہونا پڑے۔ چنانچہ قرآن کریم کی تعلیم انسان کو کلیۃً ان باتوں سے آزاد کرتی ہے اور اس کا Morality سے بڑا گہرا تعلق ہے، اس کا اخلاقیات سے بہت گہرا تعلق ہے۔ کوئی شخص جو اعلیٰ اخلاق پر فائز نہ ہو وہ حقیقت میں آزاد نہیں ہو سکتا اور جو شخص حرص و ہوا کا محتاج ہوگا وہ اُسی حد تک غیر اللہ کی طرف جُھکنے پر مجبور ہوگا۔ یہ وہ وسیع تر مضمون ہے جس کے اوپر مزید غور کی ضرورت ہے، مزید فکر کی ضرورت ہے اور روزمرّہ اپنے نفوس کا جائزہ لینے کی ضرورت

ہے۔ پس اگلی صدی کو ہم لا الہ الا اللہ کی تفسیر بنانے کی کوشش کریں گے۔ یہ ہے وہ مدعا جس کا میں نے عید پر اظہار کا تھا۔ چنانچہ یہ جو چند غلط فہمیاں اُس مضمون سے پیدا ہو سکتی تھیں وہ میں نے آج دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ آزادی کے قرآنی مضمون کو اس وسیع تر دائرے میں پیش نظر رکھیں گے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ نہ صرف خود آزاد ہونے کی کوشش کریں گے بلکہ تمام دنیا کو سچی آزادی کا پیغام دینے والے ہوں گے اور میں یہ کامل یقین رکھتا ہوں کہ **سارے بنی نوع انسان کی آزادی احمدیت سے وابستہ ہے اور احمدیت پر منحصر ہے**۔ اس لیے آج کی نسلوں کی بہت بھاری ذمّہ داری ہے۔ ہمیں باشعور طور پر آزادی کے علمبردار بن کر اگلی صدی میں داخل ہونا ہے اور یہ پروگرام اگر چہ احمدیت کے ساتھ ہی آغاز پا چکا ہے لیکن اس طرح باشعور طور پر منصوبوں کی شکل میں اگلی صدی میں یہ Unfold ہونے والا ہے۔ یعنی جس طرح فلم کھلتی ہے اور کہانی منظر پر ابھرتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح انشاء اللہ تعالیٰ اگلی صدی میں جماعت احمدیہ کی آزادی کے معاملے میں جدّ و جہد نمایاں نقوش بن کر اُبھرے گی اور دُنیا اس سے زیادہ سے زیادہ متعارف ہوتی چلی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی کما حقہ توفیق عطا فرمائے۔

قرآن کریم میں جو اس ضمن میں مختلف پہلو بیان فرمائے ہیں۔ اُن سے متعلق یہ کچھ آیات میں نے اکٹھی کی تھیں تا کہ آج اُس پر روشنی ڈالوں گا۔ لیکن یہ جو وضاحتیں تھیں انہوں نے ہی سارا وقت لے لیا ہے۔ اس لیے آئندہ کبھی مختلف مضامین کے بیان کے وقت میں انشاء اللہ تعالیٰ ان امور کی یاددہانی آپ کو کرواتا رہوں گا۔

اس وقت صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام کا جو آزادی کا تصور ہے یعنی غریب کی غربت دور کرنے میں آزادی کا تصور وہ اتنا بلند اور اتنا عظیم الشان ہے کہ اُس کی کُنہ کو پانا تو کیا اُس کی جوتیوں کی خاک کو بھی دوسرا کوئی دنیا کا فلسفہ پہنچ نہیں سکتا۔ عام طور پر یہ میں نے جیسا کہ بیان کیا تھا یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب آپ کسی کی ضرورت پورا کرتے ہیں تو اُس سے مقابل پر اُس سے احسان کا تصور یا اُس سے احسان کی تمنا نہیں کرتے۔ یہ ایک نہایت اعلیٰ چیز ہے اور گویا اسلامی تعلیم صرف یہیں تک محدود ہے کہ جب بھی آپ کسی کی خدمت کریں مقابل پر اُس سے کچھ بدلہ نہ چاہیں لیکن یہیں

بات نہیں ختم ہوتی ۔اسلام اس معاملے میں ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے اور وہ ایسا قدم ہے جو عقل کو حیران کر دیتا ہے۔ وہ قدم یہ ہے کہ بعض دفعہ وہاں بھی تمہیں خدمت کرنی پڑے گی جہاں سے تمہیں شدید تکلیف پہنچی ہے ایسے بد باطن لوگوں کی بھی خدمت کرنی پڑے گی تمہیں انسانی آزادی کے نام پر جنہوں نے ظلم کی حد کر دی ہے اور اس پہلو سے انسان کو گویا یہ آزادی ہے کہ وہ تمہیں تکلیف بے شک پہنچائیں لیکن یہ یقین ہونا چاہئے اُن کو کہ قرآن کریم میں جو اُن کے حقوق محفوظ کر دیئے گئے ہیں تم وہ حقوق اُن سے نہیں چھینو گے۔ یہ وہ عجیب اور بلند تر مضمون ہے جس سے انسان کی نظر چُندھیانے لگتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ پر ایک نہایت ہی گندہ اور بھیانک الزام لگایا گیا۔ میں اس پہلو سے ذکر اس لیے کر رہا ہوں کہ حضرت ابوبکر کے متعلق آگے بات آنے والی ہے۔ ویسے تو اُمہات المومنین میں سے تھیں اور یہ کہنا چاہئے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ پر الزام لگایا گیا لیکن جو واقعہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں اُس میں یہی تمہید بہتر ہے۔

حضرت ابوبکرؓ دل کے بے انتہاء حلیم تھے اور غریبوں کے بہت ہی ہمدرد تھے۔ اپنے غریب مفلوک الحال رشتہ داروں کی مدد کرنے والے۔ چنانچہ ایک ایسے رشتہ دار کی بھی آپ مدد کیا کرتے تھے جو اُن ظالموں میں شامل تھا جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر الزام لگا دیا۔ اب یہ سفاکی کی حد ہے کہ ایک طرف تم اُس کے محتاج ہو، مسلسل کسی شخص کے جو اتنا شفیق، اتنا مہربان ہے کہ مخفی ہاتھوں کے ساتھ دنیا کو پتا ہی نہیں کہ تمہاری مدد ہو رہی ہے، وہ تمہاری تکلیفیں دور کرنے میں کوشاں ہے اور جو شخص اُس کی پاکیزہ بیٹی کے اوپر ایک نہایت ہی بھیانک اور گندہ الزام لگاتے ہیں تم اُن کے اندر شامل ہو جاتے ہو۔ اس کے نتیجے میں حضرت ابوبکرؓ نے بھی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا حالانکہ بہت حلیم تھے، صدیقیت کے مقام پر فائز تھے، اتنا روشن ضمیر تھا اُس کے باوجود آپ نے سمجھا کہ اب تو حد ہوگئی ہے اب اس کے بعد اس شخص نے خود اپنا استحقاق ختم کر دیا ہے اور ایسے ظالم اور سفاک کی امداد کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ قرآنی تعلیم کی عظمت دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے الہاماً آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے یہ نصیحت فرمائی اور اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا اور یہ قرآن کریم میں آیت نازل ہوئی وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۳﴾ (النور:۲۳) کہ ہرگز وہ لوگ جن کو خدا نے فضل عطا فرمایا ہے، مالی برتری بخشی ہے اور وسعت عطا کی ہے۔ ایسی قسمیں نہ کھائیں، ایسے ارادے نہ کریں اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ کہ اللہ کی راہ میں مہاجرین اور اولی القربیٰ اور مساکین کی جو خدمت کیا کرتے تھے۔ اُس سے وہ ہاتھ روک لیں وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا وہ درگزر کریں اور عفو سے کام لیں اَلَا تُحِبُّوْنَ کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تجھ سے مغفرت کا سلوک فرمائے اور اللہ بہت ہی غفور ورحیم ہے۔

اس میں تین گروہوں کا ذکر فرمایا يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ ۔ لیکن جہاں تک ہمیں علم ہے وہ ایک ہی شخص تھا وہ ان میں سے کسی ایک گروہ سے تعلق رکھتا تھا اور جہاں تک تاریخ بتاتی ہے وہ اُولی القربیٰ میں سے تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایک اصلاح فرمائی گئی ایک پہلو سے اور دوسرے پہلو سے اُن کی دلداری بھی فرما دی گئی یہ فرما کر کہ آپ عادتاً اُن اُولی القربیٰ کی بھی خدمت کرتے ہیں، مساکین کی بھی خدمت کرتے ہیں اور وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ کی بھی خدمت کرتے ہیں اور آپ کی شان یہ نہیں ہے کہ کسی بھی تکلیف کے نتیجے میں، کسی بھی وجہ سے ان خدمتوں سے ہاتھ کھینچ لیں۔

اسی وجہ سے یعنی اس مضمون کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے ربوہ میں غرباء کی امداد کی کمیٹی کو یہ ہدایت کی کہ آپ جب فیصلے کرتے ہیں فلاں ضرورت مند ہے۔ تو اُس فیصلے میں امور عامہ سے یہ رپورٹ کیوں لیتے ہیں کہ اُس نے کبھی کوئی جماعت کے خلاف کوئی کام تو نہیں کیا تھا، کبھی اُس نے نظام کی خلاف ورزی تو نہیں کی تھی کیونکہ اگر **آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اتنا بھیانک الزام لگانے والے، اتنا ظلم کرنے والے کے حق کی حفاظت قرآن نے کی تھی تو آج آپ کو کیا حق ہے کہ حقیقی محتاج کی مدد سے اپنے ہاتھ روک لیں** اس لیے کہ وہ کسی غلطی کا مرتکب ہے، کسی معاملے میں نظام جماعت سے تعاون نہیں کرتا یا عبادتوں میں کمزوری دکھاتا ہے۔ یہ دو الگ الگ مضمون ہیں۔

چنانچہ مذہب سے بھی کلیۃً اس مضمون کو قرآن کریم نے آزاد کر دیا ہے۔ مذہبی اختلاف

سے بھی کلیۃً آزاد کر دیا ہے بلکہ مذہبی معاملہ میں مخالفت کرنے والوں کے لیے ایسے موقع پر مدد کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ اسی لیے مجھے یاد ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ بعض دفعہ شدید معاندین کے متعلق بھی نظر رکھتے تھے کہ اُن کو اگر کوئی ضرورت ہے تو وہ ضرورت پوری کی جائے اور اس ضمن میں مولوی ظفر علی خان صاحب کو جب آخری ایام تھے مری میں تو ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو آپ نے تاکید فرمائی کے باقاعدہ اُن کی عیادت کے لیے جاؤ اُن کا علاج کرو اور اس ضمن میں اُن کے اوپر کوئی مالی بوجھ نہیں پڑنا چاہئے اور یہ اس لیے نہیں تھا کہ نعوذ باللہ کوئی اشتہار بازی کی جائے۔ حضرت مصلح موعودؓ خود اُن دنوں میں شدید بیمار تھے لیکن اپنے ذاتی ڈاکٹر کو کہا کہ تم اُن کی فکر کرو وہ محتاج ہیں کیونکہ آپ کو یہ اطلاع ملی تھی کہ اس حالت میں وہ بیچارے مفلوک الحالی کی حالت میں وقت گزار رہے ہیں کہ جس قوم نے اُن کو لیڈر بنایا ہوا تھا وہ اُن کو بھول چکی ہے۔ کوئی بھی خدمت نہیں کر رہا، کوئی اُن کو پوچھ نہیں رہا، کوئی طبیب میسر نہیں ہے۔ چنانچہ **اسلامی تعلیم کی عظمت اس بات میں ہے کہ غریب کے حقوق اور ضرورت مند کے حقوق کو کلیۃً آزادی عطا کی گئی ہے، فَكُّ رَقَبَةٍ اس کو کہتے ہیں** کہ مذہب سے بھی آزادی ہے کلیۃً اور ان لوگوں کو یہ بھی حق دے دیا گیا ہے کہ تم بے شک ہماری مخالفت کرو لیکن خدا کہتا ہے کہ ہم نے تمہاری ضرورت کو بغیر غلامی کے پورا کرنا ہے۔ اس لیے کوئی زنجیر تمہارے اوپر نہیں ہے تم نے جو کچھ کرنا ہے کرتے رہو۔ ہمیں جو حکم ہے وہ یہی ہے کہ ہم تمہیں اب تمہاری مصیبتوں اور ضرورتوں سے بھی آزاد کروائیں۔ یہ اعلیٰ درجے کی تعلیم ہے جس کو سمجھ کر جس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ اگلی صدی میں داخل ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اب میں ایک مختصراً ایک اور بات یہ کہنی چاہتا ہوں کہ جب سے میں انگلستان آیا ہوں اُس وقت سے یہ رجحان دن بدن بڑھتا ہوا دیکھا ہے کہ جن کے کوئی عزیز فوت ہوں وہ مجھے نماز جنازہ غائب کے لیے کہتے ہیں۔ ابتداء میں یہ رجحان بہت کم تھا اور چونکہ میں پاکستان سے بعض حالات کی مجبوری کی وجہ سے یہاں آ گیا اور پاکستانی احمدیوں کی دلداری کا خیال زیادہ تر پیش نظر تھا۔ اس لیے اس خیال سے کہ اُن کو محرومی کا احساس نہ ہو کہ میں وہاں نہیں ہوں ورنہ شاید میں خود اُن مرحومین کا جنازہ پڑھتا، میں ایسی درخواستوں کو منظور کرتا رہا لیکن کچھ عرصہ کے بعد میں نے خطبے میں یہ تاکید کی

کہ اب یہ رسم بنتی جارہی ہے، بہت بڑھ رہی ہے۔اس لیے میری درخواست ہے کہ دوست اجتناب کریں۔اگر وہ مجھے لکھیں گے تو میرے لیے انکار بڑا مشکل ہے۔اس لیے آپ خود اجتناب کریں اسے ایک ایسی رسم نہ بنادیں جو ہمارے قابو میں نہ رہے۔بس زیادہ سے زیادہ میرا خیال ہے ایک دو مہینے اس نصیحت پر عمل ہوا ہوگا پھر اُس کے بعد ایک بند ٹوٹ گیا اور اس کثرت سے پھر اب درخواستیں آنی شروع ہوئیں کہ جن پر عمل پیرا ممکن ہی نہیں ہے ورنہ جمعہ نماز جنازہ پڑھانے کا دوسرا نام بن جائے گا۔یہ خود میں محسوس کر رہا تھا کہ اب یہ معاملہ ہاتھ سے نکلتا چلا جا رہا ہے کہ مکرم ملک سیف الرحمان صاحب مفتی سلسلہ کو بھی یہ تحریک ہوئی۔اُس وقت یہ کینیڈا میں تھے انہوں نے مجھے لکھا کہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ اب یہ کچھ زیادہ ہی بات بڑھتی چلی جارہی ہے۔

جہاں تک فتویٰ کا تعلق ہے آنحضرت ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی نماز جنازہ غائب پڑھائی تھی اور اس لیے یہ تو نہیں کوئی کہہ سکتا کہ یہ جائز ہی نہیں ہے۔مگر مختلف علماء اور مفتیوں نے اُس سے نتیجے مختلف نکالے ہیں۔بعض کے نزدیک یہ اس لیے نہیں تھا کہ اجازت ہے۔اب باقی لوگ بھی نماز جنازہ غائب پڑھ سکتے ہیں بلکہ اس لیے تھا کہ خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعے خاص طور پر نجاشی کی اجازت دی تھی اور یہ فعل آنحضرت ﷺ سے خاص تھا۔بعض دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ نہیں اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو حضور اکرم ﷺ فرمادیتے کہ صرف میں نجاشی کی پڑھ رہا ہوں۔تمہیں اجازت نہیں ہے کیونکہ باقیوں کو منع نہیں فرمایا گیا اس لیے یہ ایک عمومیت کا حکم ہے لیکن اُن کا بھی یہی رجحان ہے کہ یہ استثنائی شکل ضرور ہے۔اجازت تو ہے لیکن استثنائی شکل ہے اور اسے عمومیت نہیں دینی چاہئے۔میری اس بات پر نظر تھی مگر میں نے چونکہ ایک استثنائی حالت ایسی دیکھی جس کا ایک وسیع علاقے سے تعلق ہے یا جس طرح نجاشی کے لیے رسول اکرم ﷺ کے دل میں ایک تمنا تھی اور آپ وہاں نہیں جاسکتے تھے، فاصلے اور حالات ایسے حائل تھے، ویسے ہی ممکن نہیں تھا۔اس لیے یہ استثنائی بنا تو انہی حالات میں اگر استثنا زیادہ ہو جائیں تو پھر زیادہ استثنائی حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔میرے ذہن میں یہ استدلال تھا۔اس لیے میں نے سمجھا کہ جب تک پاکستان میں نہیں جاسکتا، پاکستان کے احمدیوں کا خصوصیت کے ساتھ یہ حق بنتا ہے کہ استثنائی حالات سمجھتے ہوئے اُن کی نماز جنازہ غائب پڑھا دیا کروں لیکن پھر بھی جیسا کہ میں نے بیان کیا تردد تھا کہ یہ بہت زیادہ رسم نہ بن جائے۔ملک

صاحب نے جب توجہ دلائی تو اُس وقت پھر میں نے یہی مناسب سمجھا اور ملک صاحب نے مشورہ بھی یہی دیا کہ وہاں پاکستان میں صدر انجمن کے سپرد یہ معاملہ کیا جائے کہ اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کریں اور یہ قدغن لگا دیں کہ جس نے مجھے درخواست کرنی ہے وہ وہاں صدر انجمن کی معرفت درخواست کرے۔ مجھ میں اگر طاقت نہیں انکار کی تو اُن میں نسبتاً زیادہ طاقت ہوگی وہ دیکھ لیں گے اگر کسی کو بہت زیادہ غیر معمولی طور پر مستحق سمجھیں گے تو سفارش کر دیں گے ورنہ وہ انکار کر دیں گے۔ تو سر دست میں نے ملک صاحب کی سفارش کو منظور کرتے ہوئے معاملہ صدر انجمن کے سپرد کر دیا ہے۔ اس دوران وہ استثنائی حق جو خلیفہ وقت کو ہوتا ہے کہ اگر کسی کے متعلق وہ غیر معمولی طور پر مطمئن ہو کہ اس کا مقام ایسا ہے، مرتبہ ایسا ہے، خدمات ایسی ہیں کہ یہ حقدار ہے کہ اس کی نماز جنازہ غائب میں خود پڑھاؤں تو وہ تو اپنی جگہ ایک حق باقی رہے گا۔ اُس کا اس نئی صورت سے تعلق نہیں ہے لیکن اس کے سوا جو دوست مجھے اب لکھ رہے ہیں میری اُن سے درخواست ہے کہ سر دست لکھنا بند کر دیں۔ امر واقعہ یہی ہے کہ بہت ہی زیادہ رجحان بڑھ گیا تھا اور آئندہ اس کے نتیجے میں رسم بھی پیدا ہو سکتی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے مجھے یاد ہے کہ جمعہ کے بعد کوئی نماز جنازہ غائب تو نہیں پڑھایا کرتے تھے۔ (کیوں ملک صاحب آپ کو یاد ہے؟) اور جو جنازہ کبھی ہوتا تھا حاضر جنازہ ہو جاتا تھا لیکن غائب جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا بھی یہی طریق تھا کہ جمعہ کے بعد جنازہ پڑھانے سے پرہیز کیا کرتے تھے اور کہہ دیا کرتے تھے کے بعد میں یا عصر کے وقت لے آؤ یا کسی اور دن دوسرے دن یا تیسرے دن۔ تو استثنائی حالات کی وجہ سے جو شروع کیا تھا سلسلہ اب چونکہ قابو میں نہیں رہا۔ اس لیے مجبوراً میں معذرت کے ساتھ میں اس طریق کو بدل رہا ہوں اور اُمید ہے دوست اس سے دل برداشتہ نہیں ہوں گے یعنی دل آزاری محسوس نہیں کریں گے یہ مقصد نہیں ہے مجبوری ہے۔